(اسلامی معیشت) (دوسری قسط)

مال کا تصور اور اسلام میں اس کی حقیقت

مولانا شکیل احمد

مدرس جامعہ محمدیہ اسلام آباد F/6

(پیش کردہ اسلام آباد فقھی سیمنار)

مولانا شکیل احمد نے مقالہ ہذا کو اسلام آباد فقہی سیمینار منعقدہ زیرنگرانی جامعہ المرکز الاسلامی بمورخہ ۱۵،۱۶ مارچ ۲۰۰۶ء بمقام جامع مسجد دارالسلام میں پیش کیا تھا۔ مولانا موصوف ایک جید عالم دین لائق محقق اور جامعہ محمدیہ کے مدرس ہے۔ قارئین حضرات کے استفادہ کے لئے اس دفعہ شمارہ میں موصوف کے مقالے کی دوسری قسط پیش خدمت ہے امید ہے قائین حضرات حظ وافر حاصل کریں گے۔ (ادراہ)

منافع کو مال تسلیم کرنے کے دلائل اور وجوہ:۔

پہلی وجہ:

پہلی وجہ یہ ہے کہ خود شارع نے بھی منافع کو مال تسلیم کیا ہے کیونکہ نکاح میں مہر کا مال شرعی ہونا ضروری ہے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ واحل لکم ماوراء ذالکم وان تبتعوا باموالکم محصنین غیر مسافحین . اور فقہاء کرام کا بالاتفاق منفعت کو مہر جائز قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ منفعت بھی مال ہے۔ ولا یکون مهرا فی التزوج الاالمال .فاتفاق الفقهاء علی جواز ان تکون المنفعة مهرا دلیل علی اعتبار ها مالا ومن لم یعتبر ها کذلک فهو متناقض فی آدائه [1]

دوسری وجہ:۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہو چکا کہ شارع کی طرف سے مال کا کوئی معنیٰ منقول نہیں ہے اور احناف نے لغت سے مال کا معنیٰ بیان فرمایا ہے کہ لغت میں مال کا معنیٰ تمول کا ہے اور تمول کے لئے احراز اور صیانت ضروری ہے اور منافع میں چونکہ یہ چیزیں نہیں پائی جاتی اس لئے منافع مال نہیں ہے۔ لیکن مال کا مذکورہ معنیٰ اس صورت میں ہے کہ جب کہ مال کا مادہ م،و،اور ل تسلیم کریں اور اگر مال کا مادہ 'م' 'ی' اور 'ل' تسلیم کرلیا جائے تو پھر لغت میں اس کا معنیٰ ہے کہ وہ ''چیز جس کی طرف انسان کی طبعیت مائل ہو'' جیسا کہ ابتداء میں بحوالہ لغات مذکور ہوا۔ جس کو کتب حنفیہ میں مال کی اصطلاحی تعریف کے دوران ''ما یمیل الیه الطبع'' اور ''شئی مرغوب فیه'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور مال کے معنیٰ اعیان اور منافع دونوں کو شامل ہیں کیونکہ منافع کی طرف انسان

کی طبعیت مائل ہوتی ہے اور وہ شئی مرغوب فیہ ہیں۔ کتب حنفیہ میں مال کی اصطلاحی تعریف منقول ہے "مـا یـمـیـل الیـه الـطـبـع ویـمـکـن احـرازه" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے مادہ میں جو مذکورہ بالا دو احتمال ہیں دونوں کو ملا کر مال کی تعریف کی گئی ہے "مـایمیـل الیـه الطبع" یہ مال کے مادہ، م ،ی، ل، تسلیم کرنے کی صورت میں معنیٰ ہے اور "مـا یـمـکـن احـرازه" یہ مال کا مادہ م، و، ل، تسلیم کرنے کی صورت میں معنیٰ ہے گویا مال کے دونوں لغوی معنیٰ کو ملا کر احناف نے مال کی اصطلاحی تعریف کی ہے۔

تیسری وجہ:۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مال کی تعریف میں قید ہے "مایمکن احرازه او حیازته" اس میں اگر حیازت کے معنیٰ کو وسیع کیا جائے کہ خواہ وہ حیازت مباشرہ ہو یا بالفعل ہو یعنی کسی اور چیز کے ضمن میں ہو جیسے منافع میں احراز اور حیازت وہ ان کے مصادر اور اصل کے ساتھ ممکن ہے۔ تو اس صورت میں مال کی تعریف منافع کو بھی شامل ہو جائے گی کیونکہ منافع کا احراز ان کی اصل کے ساتھ ممکن ہے اور اس سے انتفاع کیا جاسکتا ہے۔[۲]

دوسرے ائمہ کرام نے حیازت کا یہی معنیٰ مراد لیا ہے کہ منافع مال ہیں اور مال کی حیازت کے لئے یہ ضروری قرار نہیں دیا کہ وہ بنفسہ اور مباشرہ ہی ہو بلکہ مال کی اصل اور مصدر کے ساتھ حیازت بھی کافی ہے اس لئے اب اگر عرف کی وجہ سے اس حیازت کے معنیٰ میں توسع کیا جائے تو منافع بھی مال کی تعریف میں داخل ہو سکتے ہیں کما فی المجلۃ۔ احناف کی دلیل کو ذکر کرنے کے بعد مذکور ہے۔ علاوہ اس کے کہ فی زمانہ احراز وادخار کی بعض اور صورتیں بھی ممکن ہوگئی ہیں یہ استدلال محل نظر ہے شریعت میں کثرت سے اس کی نظیریں موجود ہیں کہ ایک لفظ اپنے لغوی معنیٰ کے لحاظ سے عام ہے یا خاص اور عرف عام یا عرف شرع کی بناء پر اس کے مفہوم میں تخصیص یا عموم پیدا کر دیا گیا ہے عرف میں اگر کسی لفظ کے مفہوم میں عموم پیدا ہو جائے تو ضروری نہیں کہ لغت میں اس کے مفہوم میں جو تحدید ہے اس سے سرمو تجاوز نہ کیا جائے عرف کا درجہ لغت سے بڑھ کر ہے اس لئے فقہاء نے کہا کہ "الـحـقـائق العرفية مقدمة على الحقائق اللغوية" اور یہ عرف کی بناء پر لغوی معنیٰ میں تخصیص بھی ہوسکتی ہے تقید بھی اور اس کو بالکلیہ نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے۔ **العر ف اللغوی مؤثر فی اللفظ اللغوی تخصیصاً وتقیداً و ابطالاً**۔[۳]

چوتھی وجہ:۔

اعیان بھی بذاتہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان سے مقصود بھی منافع ہی ہوتے ہیں اور اعیان کا تقوم وہ ان میں موجود منافع کی وجہ سے بنتے ہیں جس قدر کسی عین میں منفعت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کی مالیت اور تقوم زیادہ ہوگی مثلاً جس چیز کی گارنٹی بیس سال ہے اس کی قیمت زیادہ ہے اور جس کی گارنٹی دو سال ہے اس کی قیمت پہلی چیز کے مقابلے میں بہت کم ہے **والـفـرق هـو كثـرة الـمـنـافـع الـمـوجـوده فی الاشياء وقلتها**۔ اور جس چیز میں بالکل منفعت ہی نہیں ہوتی وہ مال نہیں ہوگی اس وجہ کے اعتبار سے تو منافع وہ

اعیان سے بھی زیادہ مال کہلانے کے حقدار ہیں وقد جاء فی الاشباہ والنظائر لابن سبکی ،قال علماء نا بمنافع الاعیان کقیامھا بالاعیان یعنی بھذا ان منافع الاعیان اموال کالاعیان ،قالو بل المنافع احق باسم الاموال من الاعیان اذاالاعیان لاتسمیٰ اموالا الا لاشتمالھا علی المنافع الاترٰی انھا لایصح بیعھا بدونھا ۔[۴]

پانچویں وجہ:۔

بذات خود حنفیہ نے بھی بعض مقامات پر منافع کو مال تسلیم کیا ہے اور صراحۃً فرمایا ہے کہ منافع بھی ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ''کتاب الوصایا '' میں موصیٰ بہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے صاحب بدائع الصنائع کی عبارت کس قدر واضح ہے (ومنھا) ان یکون المال متقوما فلا تصح الوصیۃ بمال غیر متقوم کالخمر ....وتجوز بالکلب المعلم لانہ متقوم عندنا الا ترٰی انہ مضمون بالاتلاف ویجوز بیعہ وھبتہ سواء کان المال عیناً او منفعۃٌ عند عامۃ العلماء حتیٰ تجوز الوصیۃ بالمنافع من خدمۃ العبد وسکنی الدار وظھر الفرس ....(وجہ)قولہ ان الوصیۃ بالمنافع وصیۃ بمال الوارث لان نفاذ الوصیۃ عند الموت وعند الموت تحصل المنافع علی الورثۃ ....فکانت الوصیۃ بالمنافع وصیۃ من مال الوارث۔ ۵ فالوصیۃ فی الاصل نوعان وصیۃ بالمال ووصیۃ بفعل متعلق بالمال لایتحقق بدون المال فحکمھا ثبوت الملک فی المال الموصیٰ بہ للموصی لہ والمال قد یکون عیناً وقد یکون منفعۃ ویتعلق بالملک فی کل واحد منھما احکام [۶]

مذکورہ بالا عبارت میں منافع کو صراحۃً مال تسلیم کیا گیا ہے اس طرح منافع کی تملیک اور ملک کو بھی تسلیم کیا گیا ہے اور یہی بیع کی حقیقت بھی ہے کہ اس میں مال کی تملیک اور تملک ہوتا ہے۔

چھٹی وجہ:

مال کی مالیت کا تحقق اور اس میں تحول کس طرح آتا ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین کی عبارت چشم کشا ہے ''المالیۃ تثبت بتمول الناس کافۃ اوبعضھم '' [۷]

یعنی مالیت وہ تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے تمول سے ثابت ہوتی ہے اور موجودہ دور میں منافع کا تمول تو بہت عام ہو چکا ہے اور عوام وخواص دونوں کے ہاں منافع کو مال تسلیم کیا جاتا ہے۔ بازاروں اور تجارتی منڈیوں میں تو اس کا اور بھی زیادہ عرف ورواج ہے۔ مکانات ،مارکیٹ اور سرائے جو کرائے پر دینے کے لئے بنائے جاتے ہیں ان میں دراصل منافع ہی کی تجارت ہوتی ہے۔وان العرف العام فی الاسواق والمعاملات المالیۃ یجعل المنافع عرضا مالیا .متجرا یتجرفیہ ،فالخانات والاسواق والبیوت التی تعد للاستغلال بسکناھا انما تتخذ فیھا المنافع متجرا ومستغلا تدر علی اصحابھا

الدر الوفیر فدل علی ان العرف العام یعتبر المنافع اموالا تبتعی [8]

سا تویں وجہ:

جیسا کہ ماقبل بھی مذکور ہو چکا ہے کہ شریعت مقدسہ میں مال کی کوئی تعریف منقول نہیں بلکہ شریعت نے اس کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھنے کا مدار عرف پر رکھا ہے اور اگر شریعت میں کسی چیز کے بارہ میں کوئی صراحۃً ضابطہ نہ ملے لیکن عرف میں اس کا استعمال ہو رہا ہو تو اس کے بارہ میں ضابطہ یہ ہے ''کل ما ورد به الشرع مطلقا ولا ضابط له ولا فی اللغة یرجع فیه الی العرف [9]

شریعت میں جو چیز مطلقا وارد ہو اور نہ ہی شریعت میں اس کے لئے کوئی ضابطہ ہو اور نہ ہی لغت میں تو ایسی صورت میں عرف کی طرف لوٹا جائے گا۔ مال کے مفہوم کو متعین کرنے میں بنیادی کردار یہی عرف ادا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے ہاں مختلف ادوار میں مال کی تعریف اور بعض اشیاء مال ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف رہا ہے اور ایک مال پر ہی موقوف نہیں معاملات کی اکثر اصطلاحات وہ ہیں کہ عرف ہی ان کی تعریف وتحدید کرتا ہے اسی لئے امام مالکؒ سے مروی ہے کہ جس کو لوگ بیع کہیں وہ بیع ہے۔ البیع ما یعده الناس بیعا [10]۔ اور مال کے بارہ میں بھی اکثر اہل لغت نے صرف ''معروف'' (جانی پہچانی چیز) لکھنے پر اکتفاء کیا ہے [11]

فائدہ:

کسی شئی کے مال قرار پانے کے لئے ''عین'' ہونے کی شرط جو محض ایک اتفاق کا درجہ رکھتی تھی اور کسی خاص زمانہ اور ماحول سے پیش نظر مقرر کی گئی تھی۔ کو مال ہونے اور نہ ہونے کے لئے مدار واساس بنا دیا گیا حالانکہ غالبًا فقہاء نے یہ شرط محض اس لئے لگائی تھی کہ کسی چیز کے تمول وادخار کے لئے اس مسئلہ میں عین ہونے کے سواء کوئی اور صورت نہ تھی غیر مرئی اشیاء برقی، ہوا، گیس وغیرہ کی حفاظت اور معنوی اشیاء کا آئینی طریقوں پر احراز مثلا لائسنس، نام، ایجادات کا رجسٹریشن وغیرہ اس زمانہ میں تصور بھی نہ تھا اب کہ مال کی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جو کہ بالکل غیر مرئی ہیں اور ہمارے ہاں فقہاء احراز وادخار کی جن صورتوں سے آشنا تھے ان سے بالکل جداگانہ صورتوں میں اس کا احراز وتحفظ ہوا کرتا ہے عین کی شرط پر احراز صحیح نظر نہیں آتا [12]

ص ۴۵ پر مذکورہ ضابطہ ''کل ما ورد به الشرع مطلقا .... الاشباہ للسیوطی'' میں مذکورہ الفاظ کے ساتھ نہیں ملا اس میں یہ عبارت ہے۔ فصل فی تعارض العرف مع الشرع .هو نوعان احدهما ان لا یتعلق بالشرع حکم فیقدم علیه عرف الاستعمال [13]

اور اگلے صفحہ پر مذکور ہے۔ لان العرف محکم فی التصرفات [14]

آٹھویں وجہ:

احناف کو منافع کے مال تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے معاملات اجارہ وغیرہ کو خلاف قیاس قرار دینا پڑا ظاہر ہے کہ حکم شرعی کو خلاف

قیاس قرار اصل ہے اور بدرجہ مجبوری ہی ایسا تسلیم کیا جاتا ہے ائمۃ ثلاثہ کے مسلک پر حقوق ومنافع کو بھی مال مان لیا جائے تو پھر ان معاملات کو خلاف قیاس ماننے کی حاجت نہیں رہتی۔[۱۵]

نویں وجہ:

بعض حقوق کے اعتیاض یا تنازل بالعوض کو احناف نے بھی جائز قرار دیا ہے اس طرح تین چیزوں کے منافع کے ضیاع کی تضمین کو بھی حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے۔

(۱) موقوفہ چیز کے منافع کا ضیاع (۲) یتیم کی مملوکہ چیز کا ضیاع (۳) وہ چیز جس کو کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہو اس کا ضیاع جیسے کرائے کے مکانات وغیرہ اسی طرح جب منافع پر معاملہ ہوتا ہے خواہ وہ معاملہ عقد فاسد ہو یا صحیح اس کا تاوان بھی واجب ہوتا ہے اور منافع کا ضمان ان کے مال ہونے کی دلیل ہے یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ فی نفسہ مال نہیں ہوتا عقد کی وجہ سے مال کا درجہ حاصل کرتا ہے اس لئے کہ معاملات وعقود کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کو بدلتے نہیں ہیں بلکہ اس کے اثرات ونتائج اور احکام کو مزید ثابت اور مؤکد کردیتے ہیں[۱۶]

منافع کو مال نہ تسلیم کرنے کی صورت میں یا مال غیر متقوم قرار دینے کی صورت میں بعض حقوق کا اھدار اور مصالح کا ضیاع ہے اسی وجہ سے متاخرین حنفیہ تین چیزوں کے منافع کے ضیاع کی تضمین کو جائز قرار دیا کما مر اور اموال کی طرف رغبت اور ان کا تمول ومالیت وہ منافع کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے یہ مال کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

مراجع ومصادر

(۱) الملکیة والنظریة العقد ص ۵۳ (۲) الملکیة والنظریة العقد ص ۵۳ (۳) احکام المعاملات المالیة ص ۳۳ الملکیة فی الشریعة الاسلامیه ص ۱۷۵ (۴) مجله فقه اسلامی جلد ۳ ص ۸۲ (۵) الملکیة فی الشریعة الاسلامیه ص ۱۸۳ وکذا فی احکام المعاملات الشرعیه ص ۳۳ (۶) بدائع الصنائع ص ۳۵۲ (۷) بدائع الصنائع ص ۳۸۵ (۸) در المختار جلد ۴ ص ۵۰۱ (۹) الملکیة والنظریة العقد ص ۵۳ (۱۰) لاشباه للسیوطی ص ۱۹۶ بحواله فقه اسلامی ص ۷۰ (۱۱) حلیة العصمات جلد ۴ ص ۱۴ (۱۲) مجله فقه اسلامی ص ۷۰ (۱۳) مجله فقه اسلامی جلد ۳ ص ۷۸ (۱۴) مجله فقه اسلامی جلد ۳ ص ۸۱ (۱۵) الاشباه للسیوطی ص ۶۵ (۱۶) الاشباه للسیوطی ص ۶۶ (۱۷) الملکیة ونظریة العقد ص ۵۳